اقبال اور ہمارے سماجی مسائل

ڈاکٹر انور سجاد

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

شیکسپیئر کی سالگرہ منائی جا رہی تھی۔ جارج برنارڈ شا بھی مقررین میں سے تھے اور اپنی قامت کے لحاظ سے آخری مقرر کہ حرف آخر ثابت ہوں۔ بڑی لمبی چوڑی تقاریر ہوئیں۔ پھر شا تالیوں کی گونج میں آئے اور کہا:

LADIES AND GENTLEMEN, ALTHOUGH THE SUBJECT IS NOT EXHAUSTED, But I AM

اور چلے گئے۔ شا صاحب کم ظرف تھے۔ لیکن ہم کم ظرف نہیں کہ اقبالؒ کے سلسلے میں ایگزاسٹ ہو جائیں' اقبال کا موضوع تو خیر کیا ایگزاسٹ ہو گا۔ ان پر اکثر کام' اکثر موضوعات بار بار اتنے دہرائے گئے ہیں اور اسی ایک نکتۂ نظر سے کہ ریڈیو پاکستان سے ہونے والی علامہ کے کلام کی قوالیاں بن کر رہ گئے ہیں۔ نئے زاویئے' نئے پہلو یا نئے انداز نظر کم کم ہی پڑھنے میں آتے ہیں۔

ہم نے اپنے قومی مسائل کا حل ہر وسیلے سے ہر انداز سے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے' روز اول سے اور آج اسی تلاش کے چکر میں اس حال تک پہنچ گئے ہیں۔ اس تلاش کا ایک وسیلہ اقبال بھی ہے۔ آپ جانتے ہیں ہر تلاش کے لئے ایک آرگنائزیشن ضروری ہوتی ہے' اس کا ایک بجٹ بھی ہوتا ہے اور یہ بیشتر بجٹ' تلاش کروانے والوں یعنی ایسٹیبلشمنٹ پر خرچ ہو جاتا ہے جو تلاش کے حصہ میں آتا ہے اتنا نہیں ہوتا کہ تلاش کا عمل مکمل ہو سکے۔ ہماری ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ہمیں اپنے آنجہانیوں کو کیش کرنا خوب آتا ہے اور پھر قومی آنجہانی تو مسلسل کیش کا منبع ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر مصرف آنجہانیوں کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارا ملا بھی ہے :و ایک زمانے میں اقبال کا جانی دشمن تھا اور ان کے خلاف فی سبیل اللہ جہاد کی کیفیت میں تھا کہ علامہ نے دین ملا کو فی سبیل اللہ فساد گردانا تھا۔ آج وہی ملا جس کا اجتہاد سے آج بھی دور کا واسطہ نہیں علامہ کا ایسا عاشق ہوا ہے کہ اس کی کوئی تحریر' کوئی تقریر علامہ کے ریفرنس کے بغیر نہیں ہوتی۔ خیر' یہ تو وہی ملا ہے جو ایک زمانے میں انسانی فوٹوگراف کو حرام کہتا تھا اور آج اگر اس کی تصویر اخبار میں نہ چھپے یا ٹی وی پر نہ آئی تو باقاعدہ احتجاج کرتا

ہے۔ دراصل اس میں قصور ملا کا ہے نہ علامہ کا کہ علامہ ٹھہرے عاشق رسول، محمدیت کے پرستار، قرآن اور حدیث کے حوالے سے توحید اور خودی کو نئے زاویئے سے شناخت کر کے مسلمان بلکہ نئے مسلمان بلکہ نئے انسان کو مردِ مومن کی صورت دریافت کیا، اسی کے باعث نہ صرف برصغیر کے مسلمان آپس میں اتحاد آشنا ہوئے بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کا جذبہ بھی پیدا ہوا۔ ملا بھی مسلمان ہے اسی لئے اس کے بھی وہی حوالے ہیں اور اس نے ہمیں روایتی ۷۳ فرقوں میں تقسیم کر دیا، آج تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اسلام اور پاکستان بارہ کروڑ انسانوں میں منقسم ہو چکا ہے۔

میں علامہ اقبالؒ کے فلسفہ توحید، اس کے ساتھ وابستہ علم کے نور رحمت عامہ کے حوالے سے، عدل و انصاف، فرد کے لئے خودی اور مجموعی معاشرے کے لئے بے خودی، معاشی، معاشرتی مساوات، رواداری، قومی یک جہتی اور پھر نسل پرستی، مغربی وطن پرستی، زبان پرستی، ملوکیت، آمریت، جبر و استبداد یا استحصال ایسے موضوعات کی باریکیوں کو بیان یا ان کا تجزیہ نہیں کروں گا اور نہ ہی ان کے شعر یا تحریر کا اقتباس پیش کروں گا۔ اس سلسلے میں علامہ کی اپنی شاعری، فلسفیانہ مضامین، لیکچر، خطوط، پاکستان کے جواز کے لئے ان کا خطبہ الہ آباد سب کچھ پڑھنے کے لئے موجود ہے۔ اور پھر ان کی ان گنت شرحیں، تخلیقی اور تجزیاتی مطالعے، ہر یوم اقبال پر کی گئی لاتعداد تقریریں اور اقبالؒ کانفرنسیں اور سیمینار۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا حسین خواب (جسے ہم نے بھیانک خواب میں منقلب کر دیا ہے)، انہوں نے محض خواب کی حد تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک باعمل انسان تھے اور انہوں نے اس کو عملی صورت میں ڈھالنے کے لئے ایک باقاعدہ حکمت عملی یا سٹریٹجی بھی عطا کی تھی۔ پاکستان کو وجود میں لانے کے لئے قائداعظمؒ نے اس سٹریٹجی کو حالات کے مطابق ڈھالا اپنی حکمت عملی/TACTICS سے گوہر مقصود حاصل کر لیا۔ پاکستان کیا ہو گا، کیا نہیں ہو گا، پاکستانی کون ہوں گے، کیا ہوں گے، کیا نہیں ہوں گے، یہ سب کچھ طے کر کے، متفق ہو کر آزادی کے راستے پر چلے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ آزادی کے روز اول سے ہی ان تمام طے شدہ امور کی نفی شروع ہو گئی تھی جو پاکستان کا جواز تھے۔

اقبالؒ نے خاص طور پر اور قائداعظمؒ نے عمومی طور پر اس سلسلے میں یعنی پاکستان کو آزاد کرانے پھر اس کے استحکام کے لئے نوجوانوں کو بہت سی ذمہ داریاں سونپیں۔ ان نوجوانوں کا کیا بنا؟ اور پھر آج کے نوجوان کا کہ جس کے وہ باپ دادا نانا بنے، کیا بن رہا ہے، سب آپ کے سامنے ہے۔ اقبال کے ریفرنس سے یہ خود تحقیق و تجزیئے کا موضوع ہے۔ اقبال اکادمی اور ایسے

ہی دوسرے اداروں کو چاہئے کہ اقبال اور نوجوان کے موضوع پر کم از کم دس بارہ عالموں محققوں کو غور کرنے پر لگا دیں جو بحر فکر اقبال میں غوطہ زن ہوں اور ہمارے نوجوانوں کو اقبال کے پاکستان کا ستون بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔ اور اس ساری کوشش کو نظام تعلیم میں اس طرح رچا بسا دیا جائے کہ اقبال کے شاہین بچے' بال و پر—— لیکن نہیں۔ ہمارے نظام تعلیم میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو ان سینتالیس برسوں میں پاکستان کا جیوپولیٹکل' ثقافتی' سماجی اور معاشی نقشہ یہ نہ ہوتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی آزادی کے فوراً بعد ہی ان تمام اصولوں' اغراض و مقاصد اور آئیڈیل کی نفی شروع ہو گئی تھی جن کے حصول کے لئے ہم نے ملک حاصل کیا تھا' اور کفار کے غازی اسی روز سے اس بدعملی' بدکرداری اور نظریہ پاکستان کے اصولوں کی نفی کا ذکر بڑے زور و شور سے کر رہے ہیں۔ یہ بداعمالیاں شروع میں کم اور آنکھ کی شرم لئے ہوئے تھیں لیکن وقت اور آبادی کے ساتھ ساتھ ان بداعمالیوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا' ان کی تکنیک بہتر ہوتی گئی اور آنکھ کی شرم بھی ختم ہو گئی۔ جو کام انڈر دی ٹیبل ہوتے تھے وہ اوور دی ٹیبل ہونے لگے۔ اور کردار کا ایسا غازی کوئی نہ آیا جو ملک کی عظیم' پرشکوہ عمارتوں' سڑکوں' درسگاہوں وغیرہ کو اقبال کے نام کے ساتھ منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کو اقبال کے راستے پر بھی گامزن کر دیتا۔ یوں تو ہر حاکم نے (اور ہر جماعت نے) دعویٰ کیا کہ وہ اقبال اور قائداعظم کے سچے جانشین ہیں۔ لیکن وائے منافقت' یوں ہی نہیں کلام پاک کے بیشتر حصے میں منافقت کے خلاف خبردار کیا گیا۔ لیکن کلام پاک بھی تو' جو سینے میں ہونا چاہئے تھا' زبان پر ہی رہ گیا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اب تک کیا ہوتا رہا ہے' کس ڈھنگ سے ہو رہا ہے' اقبال اور قائداعظم کے پاکستان کی بنیاد کس ڈھنگ سے ہر طور ایک انتہائی منافق' دوغلی' کرپٹ' قاتل' موقع پرست' مفاد پرست' استحصال پرست' زر پرست' نسل پرست' اقتدار پرست' علاقہ پرست اور زنا پرست معاشرے میں تبدیل ہو گئی' جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ بقیہ آدھا پاکستان بھی تیزی سے ان راستوں پر چل نکلا ہے جنہوں نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنایا۔

قوموں کی تاریخ میں دیکھا گیا ہے کہ ہر قوم پستیوں سے نکل کر عروج کی طرف گامزن ہوتی ہے' پھر بوجوہ زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ اس زوال کی سب سے بڑی وجہ غالباً یہی ہوتی ہے کہ قومیں رفتہ رفتہ اپنے بنیادی فلسفے' نظریے اور نصب العین سے بیگانہ ہو جاتی ہیں جن پر ان کی تعمیر ہوتی ہے۔ ہمارا ملک اس لحاظ سے یکتا ہے کہ یہ شروع سے ہی رو بہ زوال ہے یعنی اس کا گراف بیس لائن سے اوپر کو اٹھنے کے بجائے معکوسی صورت ہی میں رواں دواں ہے اور ہم خود

اس لحاظ سے یکتا ہیں کہ ہم نے اپنے زوال کی ذمہ داری ہمیشہ سی آئی اے' کے جی بی اور را ٹائپ کے اداروں پر ڈالی ہے' اور ان' آٹے میں نمک کے برابر لوگوں کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا جو شروع ہی سے پاکستان کے خلاف تھے۔ حاکموں' حاکم طبقوں یا ان کی جماعتوں نے کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ جب آپ خود ہی اپنے دشمن بن گئے ہوں' خود اپنے ملک اور قوم کے خلاف سازش کر رہے ہوں اور بیڑہ غرق کر رہے ہوں تو پھر بیرونی دشمن ایجنسیوں کو حق پہنچتا ہے کہ آپ کو اپنا بیڑہ غرق کرنے میں بھرپور امداد فراہم کریں اور اپنا کام آسان کر لیں۔

یہ تو سب جانتے ہیں اور شروع ہی سے جانتے ہیں (لیاقت علی خان کا جملہ یاد کیجئے —— جو لوگ پاکستان میں رشوت کھاتے ہیں' سور کا گوشت کھاتے ہیں) کہ یہ سب کچھ کس انداز سے ہوا' ہو رہا ہے۔ آیئے' آج اتنی جرات کر کے یہ بھی دیکھ لیں کہ یہ سب کیوں ہوا' کیوں ہو رہا ہے اور اس کے ذمہ دار کون تھے اور ہیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ جن قوموں کے باپ ان کی نوزائیدگی ہی میں وفات پا جاتے ہیں' وہ یتیم قومیں یتیم بچوں کی طرح یا تو جینئس نکلتی ہیں اور یا پھر آوارہ ہو جاتی ہیں۔ اقبال اکسٹھ برس کی عمر میں رحلت کر گئے اور قائداعظم پاکستان بننے کے ایک برس بعد ہی —— اور ہم آوارہ ہو گئے۔

اور اس معاملے میں تو شاید اب کوئی اختلاف نہیں کہ "مسلم لیگ ایک تحریکی جماعت کے طور پر تو کامیاب رہی لیکن حکومتی جماعت کے طور پر بری طرح ناکام ہو گئی۔ یہ ناکامی دراصل اس کا مقدر ہی تھا کہ اس میں INHERENT تھی کیونکہ اس پر غالب طبقہ طاقتور جاگیرداروں کا تھا جن میں بہت سے' دوسرے راستوں سے ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ ان کے اپنے مفادات تھے جن کے حصول کی خاطر وہ ہر اصول' ہر نظریہ قربان کر سکتے تھے اور کیا! چونکہ زمین کے حوالے سے بھی پاکستان کی سرزمین پر ان کا عملی طور پر قبضہ تھا اور وہ اپنے آپ کو مجموعی طور پر پاکستان کا مالک اور مختار کل سمجھتے تھے اس لئے پاکستان کے ہر معاملے میں یہی ذہنیت کارفرما رہی۔ ذاتی اقتدار کے حصول کے لئے سازشیں اور لڑائیاں' لیکن اپنے کامن دشمن' یعنی جو تھوڑے بہت تھے' اور پاکستان کو اقبال کا پاکستان بنانا چاہتے تھے ان کے خلاف متحد' وہ سیفٹی ایکٹوں کے ان سیف استروں کو اس کے لئے بے دردی سے استعمال کرتے تھے اور انہیں غدار قرار دیتے تھے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر انہوں نے اقبال کے نظریئے اور قائداعظم کے فرمودات اور کروڑوں عوام کو اپنے ذاتی' اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا اور ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیا۔ اگر وہ پاکستان کے قیام کی قرارداد مقاصد کے ساتھ باوفا اور باایمان ہوتے تو پاکستان کو' اس کی نظریاتی اساس کے وسیلے سے مستقبل کی طرف گامزن کرتے' اور آج

صنعت کار طبقہ' مرکنٹائل طبقہ بھی ان کی تقلید کرتا اور ان کی باہمی جنگوں کے باعث پاکستان کے عوام اور بھی مفلس' ذلیل و رسوا نہ ہوتے۔ پھر بات کچھ یوں بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کی پاکستان کے لئے جدوجہد قائداعظم کے حوالے سے سراسر ایک آئینی جدوجہد تھی انگریز کے خلاف کوئی مسلح بغاوت/جدوجہد (۱۸۵۷ء) قسم کی چیز نہیں تھی۔ چونکہ یہ عملی طور پر کلاسیکل جنگ آزادی نہیں تھی اس لئے ہم نے اس طور اپنا لہو اپنی آزادی کے ماتھے پر سجایا نہ اپنی دھرتی کے بدن پر۔ فسادات ہندو مسلم تھے' اور تقسیم کے حوالے سے INCEDENTAL تھے۔ فرقہ وارانہ' جس کا بیج بھی انگریز اور ہندو برہمن نے بویا تھا۔ آزادی سے پہلے بھی مسلمان ہندو مسلم فسادات میں شہید ہوتے رہے' پھر نقل زمین کے وقت بھی ہزاروں عصمتیں لٹیں اور لاکھوں مسلمان شہید ہوئے' جنہیں ہندوستان سے نکالا گیا تھا اور وہ بھی جو ایک سہانے مستقبل کا خواب لے کر اقبال اور قائداعظم کے پاکستان میں آ رہے تھے۔ بہرحال ہم نے یہ بادشاہی اس طور نہیں خریدی تھی جس طور اقبال نے کہا تھا اور شاید اسی لئے گزشتہ ۴۷ برس میں' "مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی" ایسی ننگی ہوئی اور پاکستانی عوام ایسے ننگ دھڑنگ ہوئے کہ اب دونوں کا ستر ڈھانپنا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ یوں لگتا ہے کہ ہندی مسلم' نفسیاتی طور پر اتنی تیزی سے آزادی کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ ۱۸۵۷ء کی شکست کے نفسیاتی اثرات' اس دور کے کٹھ ملاؤں کا شکنجہ' سرسید کی تحریک کے ساتھ قدامت پسندوں کا تصادم' ہندو انگریز سکھ AXIS کی عیارانہ سازشیں' عمومی جہالت اور آزادی کے تقاضے اور پھر اجتماعی طور پر اپنے مستقبل پر ایقان کی بجائے فرد واحد کے ساتھ اندھی وابستگی' اس ساری جدوجہد کے دوران اقبال کا توحید سے لے کر مرد مومن تک کا تمام فلسفہ ہندی مسلم کو اس پاکستان کے لئے تیار نہ کر سکا' تربیت نہ ہو سکی اور نہ جدوجہد کی تیزی میں اس کا موقع مل سکا۔ مہاجر کیمپوں کے حوالے سے مسلمانوں کی بربریت' جس کے قدرت اللہ شہاب اور سعادت حسن منٹو گواہ ہیں' ہم اس پستی میں کچھ اور بھی پر فیکٹ ہو گئے ہیں' آئے دن کے گینگ ریپ' ماؤں بہنوں بیٹیوں کے ننگے مارچ' پاکستان کے ننگ وطن حاکم طبقوں کی مسلمانی کے گواہ ہیں۔

پھر وہ وقت جب پہلے مسلمان نے پاکستان سے جانے والے پہلے ہندو کے گھر کا تالا توڑا تھا' اس کا مال لوٹا تھا' اس کے گھر پر قبضہ کر لیا تھا' آج کے کلاشنکوف بردار ڈاکوؤں میں اسی مسلمان کا خون دوڑ رہا ہے' اور آج کے قبضہ گروپوں میں بھی وہی لہو موجزن ہے۔ محلاتی سازشیں' پاکستان کے آئین کی تشکیل میں عمداً تاخیر کہ غالباً پاکستان کے حاکم طبقے بدنیت تھے اور ۱۹۴۰ء کی قرارداد پر عمل ہی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ پھر غلام محمد اور سکندر مرزا ایسے اقتدار کی ہوس میں مبتلا

عفریت' ایوب خان کا ساتھ' مقامی گماشتوں کے ذریعے سے بیرونی سازشیں— پاکستان میں جمہوریت کا بیج پھوٹنے سے پہلے ہی کچل دیا گیا۔ ہم طائر لاہوتی بنے ہی نہ تھے ورنہ لیاقت علی خان کبھی ہمارے لئے اس رزق کا سامان نہ کرتے جس نے آج تک ہمیں پرواز کے لئے پر ہی نہیں تولنے دیئے' اسی لئے' "زندگی کے دودھ میں پانی ملا ملا کر سہی" آج ہم جی رہے ہیں کیونکہ ہم اقبال کی "جذباتیت" سے متاثر نہیں ہوئے ورنہ ہمیں مرجانا پڑتا۔ کبھی کبھی مجھے حیرت بھی ہوتی ہے کہ غلام محمد ایسے سن گزیدہ' مفلوج اور اخلاقی پستی کے مارے شخص کے پاس ایسی کونسی جادو کی چھڑی تھی کہ پاکستان کی "دانش کی کریم" یعنی بیوروکریسی بھی اس کی لونڈی بن گئی تھا اور اسی رنگ میں رنگی گئی اور یوں پاکستان کے حاکم طبقوں کی کمیشن ایجنٹ بن گئی۔ پھر ایوب خان کے بزور "توپ و تفنگ" اقتدار چھیننے کے بعد' حاکم طبقوں جن میں سرمایہ دار اور جاگیردار دونوں شامل ہیں اور بیوروکریسی کی ایسی تکون بنی جو آج بھی ڈیمو کلیس کی تلوار بن کر ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے۔ تب وطن عزیز کے روشن مستقبل کی رہی سہی امید بھی آمریت کی ریشہ دوانیوں کی نظر ہو گئی۔ یوں رفتہ رفتہ ضمیر کی خرید و فروخت کا کاروبار عام ہو گیا' ہر کوئی سامری کے نقرئی بچھڑے کی پوجا میں مبتلا ہو گیا' روح رہی نہ روحانیات' بدن ہی بدن رہ گئے۔ آج اگر سیاست میں لوٹے اور لفافے چل رہے ہیں تو اس میں پریشانی کی کیا بات یہ سب اس منطق کے تحت قدرتی امر ہے جسے ہم نے اقبال کے فلسفے اور منطق کے لاشے پر استوار کیا ہے۔ اور جب ضمیر فروشی یوں عام ہو جائے وہاں انسان کی تحریم اور عزت نفس جیسے "تکلفات" فروعی ہو جاتے ہیں۔ اپنے اشفاق احمد خاں صاحب ایسے دانشور/ ہوشیار درویش ان تکلفات کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یزیدی دور میں انسان کی تحریم اور عزت نفس کربلا کی نذر ہو جایا کرتی ہے اور ہمارے وطن عزیز میں تو روز اول سے ایسا ہی دور چل رہا ہے۔

معافی چاہتا ہوں اس جذباتی تلخ نوائی کے لئے۔ مجھے تو اس صورت حال کا تجزیہ انتہائی سائنٹفک اور کلینکل انداز میں کرنا چاہئے کہ میری تربیت ہی سائنسی بنیاد پر ہوئی ہے لیکن میں بھی پاکستان کے ساتھ عقلی اور جذباتی طور پر ان گنت پاکستانیوں کی طرح INVOLVED ہوں۔ میں بچپن میں بچہ مسلم لیگ کا سرگرم رکن تھا جس کے کارکنوں نے اپنے جیب خرچ سے بچا بچا کر ننانوے روپے کی چونیوں کی تھیلی علامہ اقبال کے پاکستان کے صدقے قائداعظم کی خدمت میں پیش کی تھی اور اسی جذباتیت کے سہارے میں نے پاکستان کو LIVE کرنے کی کوشش کی ہے اور اس عاشقی میں عزت سادات کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ قائداعظم نے خود فرمایا تھا کہ ان کی جیب میں صرف کھوٹے سکے ہیں۔ تبھی تو انہوں نے اقبال کو قوالوں کے حوالے کرنے کے ساتھ ساتھ

انہیں اکادمیوں میں بھی قید کر کے منفعل بنا دیا۔ پھر اقبال تو کیا قائداعظم' جناب نبی کریمؐ اور کلام پاک تک کے ان حصوں کو ذرائع ابلاغ پر سنسر کرنا شروع کر دیا جو حقیقی پاکستان کے قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانے کا وسیلہ تھے۔

ہم نے اسی لئے انگریز کے نظام کو من و عن اپنا لیا جو مقامی رعایا پر فاتح حاکموں کا نظام قانون تھا کہ صرف اسی طریقے سے محکوموں کو قابو میں رکھ کر اپنے اقتدار کو' مفادات کو محفوظ کیا جا سکتا ہے حتیٰ کہ بیوروکریسی جسے پبلک سرونٹ کہا جاتا ہے دراصل افسر شاہی بن گئی جو صرف حاکم/حاکم طبقوں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ اصلاحات کے نام پر اسی قانون میں ترامیم کی گئیں' تھوڑی بہت اسے اسلامیانے کی دھول بھی آنکھوں میں جھونکی گئی' لیکن اصلیت تو ریاستی جبر کے اداروں' نظام تعلیم اور نصاب سے ظاہر ہو جاتی ہے' اسی لئے اس طور اقبال ہی کو رد نہیں کیا گیا بلکہ ان کے سارے نظام کو رد کر دیا جو حقیقی پاکستان عوامی پاکستان' محمدیؐ پاکستان کی اساس تھی۔ اس لوٹ کھسوٹ کے معاشرے میں اگر کوئی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے تو سوچے کہ اگر پاکستان وجود میں نہ آتا تو ان لوگوں کی حیثیت کیا ہوتی جنہوں نے عوام کی لاشوں پر اپنے محل تعمیر کئے اور ان کی امنگوں کے لہو سے ان محلوں کو روشن کیا۔ آج سب سے زیادہ پریشان تو ہمارے ملک کا نوجوان ہے قول اور فعل کے تضادات کا شکار جس کے پاس اب کوئی آئیڈیلزم نہیں' کوئی منزل نہیں' وہ نوجوان جس پر اقبال نے اپنی حکمت کو عملی صورت دینے کے لئے سب سے زیادہ انحصار کیا تھا۔ ہم نے اقبالؒ کو مٹی کے حرم کی بجائے حقیقتاً مرمر کی سلوں میں چن دیا ہے' اتنی پختگی سے کہ اب ان کی بازیافت مشکل نظر آتی ہے۔ ہاں اگر ہم کسی طریقے سے خوشہ گندم کو جلانے کے موسم کو شناخت کر کے اپنے بس میں کر لیں تو ہو سکتا ہے اس آگ سے پھر تقنس جنم لے لے لیکن یہ طریقہ سیکھنے کے لئے بھی ہمیں اقبال ہی کی انگلی پکڑ کے پھر سے پل صراط سے گزرنا ہو گا۔

اِقبال اکادمی پاکستان
لاہور کی خصوصی پیش کش

کُلّیاتِ اِقبال

اُردُو

(خاص الخاص ایڈیشن)

- اغلاط سے پاک۔
- مضبُوط اور پائیدار جِلد مع گولڈن ڈائی خُوبصورت حاشیہ۔
- عمُدہ اور معیاری کتابت۔
- درآمد شدہ اعلیٰ قِسم کا کاغذ۔

قیمت : ۸۰۰ روپے

(ایک نسُخے کی خریداری پر بھی ۴۰ فیصد شرح رعایت دی جائے گی)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006